Woodbrooke Series.

RELIGION AND PEACE

By Prof. Lootfy Levonian.

مذہب اور امن و صُلح

مُصنّفہ

پروفیسر لُطفی لیوونیان صاحب

مترجمہ مسز ایف۔ ڈی۔ وارث صاحبہ
بی۔ اے۔ منشی فاضل

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انار کلی۔ لاہور

The Punjab Religious Book Society,

Anarkali, Lahore.

مذہب اور صُلح و امن

صدیوں سے صُلح و امن کا اہم ترین سوال ابنائے روزگار کے درپیش رہا ہے۔ انسان کے اعلیٰ ترین مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ باشندگانِ عالم کے درمیان صُلح و امن کو برقرار رکھا جائے حیوانات ایک دُوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور ایک دُوسرے کو پھاڑ کھاتے ہیں اور اِسی اُصول پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ تمدن کی ابتدائی منازل میں انسان کا بھی یہی اصول رہا ہے۔ انصاف اور حق کے اُصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کرتی رہی ہے۔ انسانی تاریخ ایسی مثالوں سے پُر ہے اور جنگ عالمگیر بھی اسی رویّہ اور انداز کی ایک صاف اور صریح مثال ہے۔ دُنیا کی بزرگترین اقوام ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں جس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ ایک کروڑ جوان میدانِ جنگ میں مارے گئے۔ بےشمار خاندان برباد ہوئے اور ہزارہا بچّے یتیم ہوگئے ہزارہا روپیہ جو نسل انسانی کی بہتری و بہبُودی کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا ان کی بربادی اور تباہی کے لئے صرف ہوُا اور نتیجہ اس کا کیا ہوُا؟ یہ کہ مصیبت و تنگدستی اور مفلسی عام طور پر دُنیا میں رُونما ہوئیں۔ اِسی وجہ سے دورِ حاضرہ میں صُلح کا مسئلہ تمام دیگر دنیوی مسائل کی نسبت اہم تر ہے۔

اقوام دُنیا جنگ کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے اور عالمگیر امن و امان کو قائم کرنے کی تجاویز پر غور و فکر کرنے میں مصروف ہیں۔ آج یہ خیال عموماً رائج ہے کہ بنی نوع انسان کی تمام مصائب کی خاص وجہ جنگ ہی ہے اور اس کو کسی نہ کسی طور سے دفع کرنا چاہیئے۔

جنگ کی وجوہ میں سے ایک وجہ نسلوں کا باہمی عناد و عداوت ہے۔ بنی آدم مختلف نسلوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ اُن کے نقش و نگار۔ شکل و شباہت۔ رنگ ڈھنگ اور زبان اور دستور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تمام بنی نوع انسان ایک ہی صورت میں نہیں ڈھالے گئے۔ بعض سیاہ فام ہیں بعض گندمی بعض زرد رنگ کے ہوتے ہیں اور بعض گورے رنگ کے۔ ہر ایک کی ایک ہی زبان و لُغت نہیں اور ہر قوم و جماعت کے دستور اور رسم و رواج یکساں نہیں۔ ان ہی باتوں نے اقوام کے درمیان عداوت و افتراق پیدا کر دیا ہے جس کی وجہ سے جنگ و جدل رُونما ہوئے ہیں۔ عالمگیر صُلح و امن کو قائم کرنے کے لئے ان باتوں کا انسداد ضروری ہے۔

پھر تجارت اور لین دین کے معاملات نے بھی عالمگیر صُلح کے مسئلہ میں رخنہ اندازی کی ہے۔ مزدوروں۔ سرمایہ داروں اور امیروں اور ناداروں کے درمیان بھی زبردست کش مکش بلکہ چپقلش رہی ہے۔ صلح کی خاطر اس کی اصلاح بھی ضرور ہے۔ مُفلسوں اور غریبوں کی حالت کو بہتر بنانے اور سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان مُنصفانہ انداز کو قائم کرنے کی بے شمار مساعی کی گئی ہیں۔

لیکن یہ مسئلۂ صُلح ایک نہایت اہم و عظیم مسئلہ ہے اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہر فردِ بشر کا فرضِ اوّلین ہونا چاہئے
اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مذہب اِس مسئلۂ صُلح کو حل کر سکتا ہے یا نہیں؟ مذہب زیستِ انسانی کا ایک اہم ترین عنصر ہے اِس نے انسانی زندگی کے انداز و رویّہ کو قائم کرنے میں بڑا حصّہ لیا ہے۔ مذہب اساسی طور پر محبّت ہے اور محبّت انسان کے اندازِ زندگی کا ایک بڑا عنصر ہے اگر محبّت کا استعمال اعلیٰ اور نیک مقاصد کے لئے کیا جائے تو وہ نیکی کی جانب بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتی ہے اور اگر اس کا بُرا استعمال ہو تو بدی کی جانب اور تاریخ اِس امر کی تصدیق کرتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راستباز لوگوں نے بے شمار نیک اور عمدہ تحریکوں کی بنا ڈالی۔ اسی طرح بیشمار نقصان دہ اور مُضر تحریکوں کی بُنیاد بھی مذہب ہی میں پائی گئی ہے۔ جس حال کہ مذہب کو ایک حبل المتین ہونا چاہئے تھا کہ جس سے یگانگی اور اتحاد کا رِشتہ اُستوار ہوتا اس نے جُدائی اور عداوت کی طرح ڈال دی ہے۔ بنی آدم نے اپنے آپ کو مختلف مذہبی فرقوں میں تقسیم کر لیا ہے جو ہر وقت ایک دوسرے کو بنظرِ حقارت دیکھتے اور ایک دوسرے کو ایذا و عذاب پہنچاتے ہیں۔ اکثر اوقات مذہب نے محبّت کی تلقین کرنے کے بجائے باہمی مخالفت اور عداوت کی ترغیب دی ہے۔ مذہبی مقاصد تمام دیگر مقاصد کی نسبت بہت زیادہ پُر جوش ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے بہت بربادی ہوئی ہے۔ اِسی وجہ سے بہت سے اشخاص نے مذہب کی مخالفت کی ہے بلکہ یہانتک کہا

ہے کہ مذہب انسانی خوشی اور اس کی ترقّی کے لئے نقصان دہ ہے۔
اِس کا سبب کیا ہے؟ مذہب کی بُنیاد خدا کا تصوّر ہے اور
بنی نوع انسان کے باہمی تعلقات اسی تصوّر پر جو وہ خدا کے متعلق
رکھتے ہیں منحصر ہیں۔ زمانہ قدیم میں خدا کا یہ تصوّر نہایت ادنیٰ تھا۔
مثلاً لوگوں نے خدا کو محض ایک مُلک یا حصّۂ مُلک تک محدود کر دیا
اور یہ خیال کیا کہ خدا فقط اُن کے مُلک یا حصّہ کا خدا ہے اور اس لئے
اُنھوں نے دیگر اقوام کو خدا کا دُشمن سمجھ لیا۔ یعنی ایک خاص فرقہ کا
خیال تھا کہ خدا صرف انہی کا خدا ہے لہٰذا اس کی تمام برکات فقط ان
کے لئے وقف تھیں اور اس کا غضب دوسری اقوام کے لئے۔
مزید برآں لوگوں کے درمیان یہ خیال بھی عام طور پر رائج رہا ہے کہ
اُن کے معبود در اصل جنگ کے معبود ہیں۔ پس جنگ میں اُن سے امداد
حاصل کرنے کے لئے وہ اُن کے حضور دُعا کرتے اور قربانیاں گذرانتے
اور اپنے دُشمنوں کے خلاف التجائیں کرتے رہے ہیں۔ اور اس مذہبی
جوش کو دل میں جگہ دِئے ہوئے وہ اپنے ہمسایوں پر حملے کرتے اور
اُن کو قتل کرتے رہے ہیں بلکہ مستورات اور بچّوں کو بھی تہِ تیغ
کرتے اور اُن کا مال و اسباب لُوٹتے اور ان کے گھروں کو آگ
سے برباد کرتے رہے ہیں اور اپنے اِس فعل کو اُنھوں نے حکمِ خدا
تصوّر کیا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیلیوں کے زعم میں اُن کا خدا یہوّاہ
جنگ کا خدا تھا جس کے حکم سے وہ اپنے ہمسایوں پر جو اُن کے
خیال کے مطابق بُت پرست تھے حملہ آور ہوتے رہے۔ بعینہٖ
قدیم یُونانیوں اور رومیوں کے خدا بھی چونکہ وہ جنگ کے خدا تھے

ہمیشہ جنگ و جدل میں مصروف رہے اور وہ اپنے اپنے معتقدوں کو بھی ترغیب دیتے تھے کہ وہ جنگ کریں اور ایک دوسرے کو قتل کریں۔ پس وہ لوگ اپنے ہمسایوں کو اسیر کرتے رہے کیونکہ اس بات کو اُنھوں نے خداؤں کا فرمان وحکم تصوّر کیا تھا۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ مذہب قومیت اور امورِ مُملکت سے متعلّق ہوگیا۔ اور یہ بات خود مذہب اور قومی زندگی کے لئے ایک آفت ثابت ہوئی۔ پس ایک طرف تو شاہانِ ممالک نے اپنے مُلکی مقاصد کو انجام دینے کی خاطر اپنے لوگوں کے مذہبی جذبات کو جوش دلا کر اُن کو ترغیب دلائی کہ وہ ہزارہا لوگوں کا خُون بہائیں۔ دوسری جانب متعصّب مذہبی ہادیان نے اپنے مقاصد کو پُورا کرنے کے لئے مُلکی طاقتوں کو جوش میں لاکر اپنے مذہب کی اشاعت اور حفاظت کے لئے قتلِ عام کروائے ہیں۔ مذہب اور امورِ مملکت نے اپنے اپنے مقاصد اور مطالب کی برآری کے لئے اتحاد و یگانگی قائم کی۔ مذہب نے مُلکی طاقت اور اُمورِ مملکت نے مذہبی طاقتوں کو استعمال کیا۔ لہٰذا مذہب نے صُلح کا طریقہ بتانے کے بجائے اپنے آپ کو وجوہِ جنگ میں سے ایک اہم وجہ بنا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخرکار مذہب اپنے رُوحانی معنی کھو بیٹھا اور تفرقہ اور تعصّب کا باعث ہوگیا اور نسلِ انسانی کی اصلاح کرنے کے بجائے اُن پر مصیبت اور آفت لے آیا۔ ایسے تصوّرات تا ایں زمانہ بھی کُلّیتہً مفقود نہیں ہوئے۔ جنگِ عالمگیر کے ایام میں ہر قوم اپنی عبادت گاہوں میں یہی دُعا کرتی تھی کہ خدا اسے دوسروں پر فتح بخشے۔

اگر ہم اس امر کے خواہشمند ہیں کہ زمین پر صلح اور بنی آدم میں رضامندی ہو تو چاہیئے کہ ہم خدا سے متعلق ایسے تصورات کو تبدیل کر ڈالیں۔ خدا کسی خاص مُلک یا کسی خاص قوم کا خدا نہیں۔ خدا کو کوئی ایک قوم اپنے لئے مخصوص نہیں کر سکتی کیونکہ خدا تمام اقوامِ عالم کا خالق اور مالک ہے خواہ اُن کی رنگت۔ اُن کا مُلک یا اُن کی زبان کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ چاہیئے کہ تمام بنی آدم اس حقیقت کو خوب سمجھ لیں۔ اسی طرح خدا حق اور انصاف کا خدا ہے اور وہ ہر ایک کے خلاف ہے جو حق اور انصاف کی راہ سے عدول کرتا ہے۔ خدا کسی کا طرفدار نہیں۔ وہ یہ نہیں کرتا کہ ایک قوم کا دوست ہو اور دوسری کا دُشمن۔ وہ ہر شخص کے ساتھ ایک ہی محبّت رکھتا ہے اور اپنی برکات تمام بنی آدم کو بلا تمیز عطا فرماتا ہے۔ وہ اپنے آفتاب عالمتاب کو ہر ایک پر روشن کرتا اور سب کو برکت بخشتا ہے۔

بنی نوع انسان نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا اور اُنہوں نے ایک دوسرے کیساتھ انصاف رحم و محبّت کے اُصولوں کے مطابق سلوک نہیں کیا۔ خدا کو اپنی خواہشوں کے حصُول کے لئے استعمال کرنے اور اس کو اپنی جانب کھینچ لینے کے لئے انسان نے بہت سی رسُوم کو ایجاد کیا ہے۔ مذہب کے نام سے لوگوں نے انصاف کو پائمال کیا ہے اور اپنی بے ثبات تجاویز کو انجام دینے کے لئے اُنہوں نے خدا کی امداد کے لئے التجائیں کی ہیں۔ مذہبی تاریخ میں یہ حقیقت نہایت افسوسناک حقیقت ہے۔

یسُوع مسیح کی تعلیم اور ہادیانِ اہل یہود کی تعلیم کے درمیان فرق
اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس زمانہ میں اہل یہود ایک مُلکی
بادشاہی کی تلاش میں تھے اور چاہتے تھے کہ جس طرح ممکن ہو
اس بادشاہی کو حاصل کر لیں۔ وہ متواتر یہ دُعا کرتے تھے کہ مسیح
آئے اور اُن کو رُومی حکومت کی قید سے رِہا کرے۔ یسُوع مسیحِ
موعود ہو کر آیا لیکن اُس نے ان کے مقصد کو پُورا نہ کیا۔ علاوہ
ازیں اُس نے فرمایا کہ اُس کی بادشاہی اِس دُنیا کی نہیں لہٰذا
وہ اُن کو خدا کی بادشاہی کے متعلّق تعلیم دینے لگا۔ درحالیکہ بعض
یہُودی ایسے مسیح کی انتظار میں تھے جو شان و شوکت اور قوّت
و قدرت کے ساتھ آئے اور غیر اقوام کو برباد کرے۔ یسُوع کمال
حِلم اور فروتنی کے ساتھ ظاہر ہُوا اور وہ دوسروں کے مارنے
اور برباد کرنے کے بجائے اُن سے محبّت رکھتا تھا۔ یہ حقیقت یسُوع
کی زندگی اور اس کی تعلیم سے خوب عیاں ہے۔ اُس نے فرمایا
"جو تم کو ستاتے ہیں اُن کے لئے دُعا مانگو اپنے دُشمنوں سے محبّت
رکھو۔ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ نہ لو۔ بلکہ
سب کے ساتھ رحم سے پیش آؤ۔ مبارک ہیں وہ جو صُلح کراتے
ہیں کیونکہ وہ خدا کے فرزند کہلائینگے۔ مبارک ہیں وہ جو رحم کرتے
ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائیگا۔ مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں
کیونکہ وہ خدا کو دیکھینگے۔ مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب
ستائے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ایسوں ہی کی ہے۔"
یسُوع شہر بہ شہر پھرتا اور ان کی باتوں کی تعلیم دیتا رہا۔ اُس نے

تمام لوگوں کے ساتھ بھلائی کی۔ اُسے کسی خاص قوم و ملت کا پاس نہ تھا۔ وہ لوگوں کی معاشری حالت کی تمیز نہ کرتا تھا۔ اُس کے معجزات بنی آدم کے لئے اُس کی رحمت و شفقت کے نشان تھے۔ اُس نے اہلِ یہود کے مختلف فرقوں میں سے بارہ شاگردوں کا انتخاب کیا اور اُس نے اُنہیں سکھایا کہ وہ محبت کے ساتھ باہم بُود و باش کریں۔" اگر کوئی تم میں سے بڑا ہونا چاہے تو چاہیئے کہ وہ سب کا خادم بنے"۔

ایک مرتبہ یسُوع مع اپنے شاگردوں کے سامریہ میں سے گذرتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچا۔ جب سامریوں کو معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہیں تو اُنہوں نے اُن کی مہمان نوازی نہ کی کیونکہ سامری اور یہودی ایک دوسرے کے دُشمن نہ تھے۔ تب شاگردوں نے یسُوع سے کہا "کیا تُو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان پر سے آگ نازل ہو کر اُنہیں بھسم کر دے"؟ لیکن یسُوع نے اُن کے اِس مخالفانہ انداز پر اُن کو ملامت کی۔ اُن کی طبیعت میں تعصّب اور دُشمنی تھی لیکن یسُوع کی طبیعت پُر رحم اور پُر شفقت تھی وہ کسی پر آسمان سے آگ نازل نہ کروا سکتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایّام میں جبکہ یہودی اور رومی سپاہی اس کو ایذا پہنچا رہے تھے خاموش رہا اور اس نے اُن کو کچھ جواب نہ دیا بلکہ اُس نے اُن کے لئے دُعائے خیر کی۔ یسُوع نے اپنی تعلیم اور بالخصوص اپنی زندگی سے خود انکاری اور ایثار نفسی کا طریقہ دکھا دیا۔ اور وہ طریقہ صُلح۔ سلامتی۔ نیکی اور محبت کا طریقہ تھا۔

مسیح یسُوع کے اس طریقہ میں تین اُصول موجود ہیں اور یہ ہر زمانہ کے لئے مفید ہیں۔ اوّل یہ کہ خدا تمام بنی آدم کا باپ ہے لہذا وہ سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یسُوع خدا کو آسمانی باپ کی صورت میں جانتا تھا نہ کہ جنگ کرنے والے یا مطلق العنان ظالم خدا کی صورت میں۔ اس نے یہ تعلیم دی کہ درحالیکہ تمام بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا اُن کا فرض ہے کہ ایک دوسرے سے محبّت رکھیں اور باہم ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اگر بنی نوع انسان کا مفہوم خدا بھی یہی ہو تو یقیناً عالمگیر صُلح ہو جائے کیونکہ کوئی شخص اپنے بھائی کو نہ مارے۔ اگر دُنیا کو ایک خاندانِ خدا تصوّر کیا جائے تو انسانی نسلوں کے درمیان سے دُشمنی اور عداوت کا خیال معدوم ہو جائے اور جنگ ناممکن ہو جائے۔ یہی یسُوع کا یقین تھا اور اسی کی اس نے تعلیم دی اور اسی کے مطابق اُس نے اپنی زندگی بسر کی۔ دُنیا کے لئے بھی اسی انداز اور طریقۂ زندگی کی ضرورت ہے

اصول دوم یہ ہے کہ یسُوع کے خیال کے مطابق انسانی شخصیت تمام دیگر اشیا سے زیادہ قیمتی اور بہتر ہے۔ یسُوع کے نزدیک ایک شخص کی زندگی تمام دُنیاوی مقبوضات کی نسبت زیادہ قدر و منزلت رکھتی تھی۔ اور یہ واقعی دُرست ہے۔ انسان کی بہترین الٰہی بخشش اس کی شخصیت ہے اور خدا یہ انعام ہر ایک کو عطا کرتا ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنی شخصی زندگی کا مالک ہے تب تک وہ واجب التعظیم اور قیمتی ہے خواہ وہ کسی رنگ یا نسل کا کیوں نہ ہو۔ کسی شخص کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے لباس۔ اس کے مُلک۔ اس کے رنگ۔ اس کی زبان اور اس کی دولت سے نہیں بلکہ اُس کی شخصیت سے لگانا چاہئے۔ شخصیت واجبُ التعظیم

ہے اور اُس پر ہرگز حملہ نہیں کرنا چاہئے۔ اِنسانی زندگی کو تمام دیگر اشیا پر ترجیح دینا چاہئے۔ یسُوع اسی طریق پر تمام آدمیوں سے پیش آتا تھا۔ اگر دُنیا بھی اس اصول کو تسلیم کرلے تو امیر و غریب اور مختلف اقوام کے درمیان سے دُشمنی اور عداوت عنقا ہو جائے۔ اور اس حالت میں کوئی دُنیوی مال و اسباب کی خاطر انسانی زندگی کو برباد کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ تمام بنی آدم ایسی تجاویز پر غور کریں جن کے باعث اُن کے تمام معاملات صلح و سلامتی کے ساتھ حل ہو جائیں۔ کارخانجات میں ہلاک کُن اسلاح نہیں بلکہ ایسی چیزیں بنائی جائیں جو افادۂ عام کے لئے ہوں۔ امیر ناداروں اور مُفلسوں کی تحقیر نہ کریں۔ نہ ہی سرمایہ دار مزدوروں سے نفرت کریں اور نہ مہذّب اقوام غیر مہذّب اقوام سے۔ برعکس اس کے وہ ایسی تدبیریں سوچیں جن کے ذریعہ سے وہ ان کو زندگی کے اعلیٰ منازل تک پہنچا کر اُن کو فرحت و راحت بخش سکیں۔

یسُوع کا اصول سوم یہ تھا کہ خدا تعالیٰ تمام نعمتوں اور برکتوں کا بخشنے والا ہے اور انسان صرف اس کے مقرر کردہ مختار ہیں لہٰذا وہ ان نعمتوں اور بخششوں کے استعمال کے متعلق ان سے جواب طلب کریگا یسوع کے خیال کے مطابق دُنیا اور اس کی تمام نعمتیں خدا کی ملکیت ہیں اور بنی آدم کو چاہئے کہ وہ اپنی تمام اشیا کو الٰہی انعام تصوّر کریں۔ یسُوع کسی خاص فرقہ کا پابند نہیں تھا۔ وہ شخصی ملکیت کا مخالف نہ تھا۔ اس کا یقین یہ تھا کہ ہر ایک اچھی نعمت خدا کا انعام ہے اور بنی آدم کو حکم ہے کہ ہر بخشش کو عُمدہ مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ یسُوع ایسا تارک الدنیا نہ تھا جو زر و دولت کو لعنت اور مُفلسی کو برکت سمجھتا ہو لیکن وہ دولت کے خودغرضانہ

استعمال کے خلاف تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ دولت لوگوں کے دلوں پر قابض تھی اور اس نے ان کو حریص و طامع اور مغرور اور ظالم بنا دیا تھا۔ لہٰذا اُس نے ایک دولتمند نوجوان کو صلاح دی کہ وہ اپنا سب کچھ فروخت کرکے غریبوں کو دے دے لیکن وہ نوجوان رنجیدہ ہو کر وہاں سے رخصت ہؤا کیونکہ وہ بڑا دولتمند تھا۔ بعد ازاں یسُوع نے فرمایا کہ "کوئی شخص خدا اور دولت کی خدمت نہیں کرسکتا۔" دولت مال و زر کی دیوی ہے اور انسان دولت اور خدا دونوں کی عبادت نہیں کرسکتا۔ یسُوع نے تعلّقاتِ زندگی سے اپنے آپ کو جُدا نہ کرلیا تھا نہ ہی اُس نے لوگوں کو صلاح دی کہ اپنے دُنیوی امور کو ترک کردیں بلکہ اُس نے اُن سے فرمایا کہ اپنے مال و دولت کو نیک اعمال کے لئے صرف کرو کیونکہ وہ دولت کو خدا کی بخشش تصوّر کرتا تھا۔ اگر بنی نوع انسان اس اصول کی پیروی کریں تو دولت لعنت نہ ہو بلکہ وہ ایک برکت بن جائے۔ دولت ایک زبردست طاقت ہے لیکن اس کی قدر و قیمت کا انحصار اس کے استعمال پر ہے۔ اگر دولت کو ناجائز مقاصد مثلاً غرور۔ طمع و حرص وغیرہ کے لئے صرف کیا جائے تو وہ لعنت بن جاتی ہے۔ اور بے شمار لوگ اسی طرح اپنی دولت کے باعث برباد ہوگئے ہیں۔ لیکن اگر دولت کو اعلیٰ مقاصد اور نیک اعمال مثلاً مُفلسی کے دُور کرنے۔ امراض کو رفع کرنے اور عوام النّاس کی بہتری و بہبُودی۔ لوگوں کی تعلیم اور مریضوں اور مسکینوں کی مدد کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ برکت بن جاتی ہے۔ اگر دولت کو خدا کا عطیہ سمجھا جائے اور مذکورہ بالا طریق پر صرف کیا جائے تو یہ ممکن ہوسکتا ہے۔

یسُوع نے خدا کی بادشاہی سے متعلق اپنی تعلیم میں معاشری تعلّقات

ہر ایک دوسرے سے لینے اور چھیننے کے بجائے خود اُس کو دے اور اس کی مدد کرنے پر مستعد ہو۔ جب کبھی ہم کسی شخص کو پھٹے پُرانے کپڑے پہنے یا برہنہ پا۔ مُفلس اور فاقوں کا مارا ہُوا دیکھیں تو مناسب ہے کہ ہم اس وقت یاد کریں کہ وہ بھی ہماری مانند انسان ہے لہٰذا ہمارا بھائی ہے پس ہم کو اس کی مدد کرنی چاہئیے نہ کہ نفرت۔ ہم کو اپنے دوستوں کے محدود دائرہ سے باہر قدم اُٹھا کر دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرنا چاہئیے۔ اور ہمارا مقصد یہ نہ ہو کہ ہم مال و دولت کو جمع کریں اور اس کا خود غرضانہ استعمال کریں بلکہ یہ کہ ہم اس سے اوروں کو فائدہ پہنچائیں اور ان کو بھی اپنی دولت کا حصّہ دار بنائیں۔ چاہئیے کہ ہمارا مُدّعا فقط دوسروں کی خدمت کرنا ہو نہ کہ اُن پر فتوےٰ لگانا یہ تصوّر عالمگیر صُلح کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو کس طرح بسر کریں تاکہ وہ اس تصوّر کے مطابق ہو۔ اور کس طور پر ہم اس تصوّر کی اشاعت کریں۔

اس مسئلے کے حل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم بنی نوع انسان کے مذہبی تصوّرات کو بدل ڈالیں۔ جب تک مذہب کسی خاص فرقہ یا مِلّت سے مخصُوص رہیگا تب تک وہ ایک بدعت بنا رہیگا اور اس کا نتیجہ تعصّب ہوگا جو نہایت نقصان دِہ ہے۔ چاہئیے کہ مذہب کا مفہوم راستی۔ حق۔ خلوص نیتی۔ تحمّل۔ برداشت۔ خود انکاری اور محبت ہو۔ تاکہ مذہب ایک ایسا عنصر ہو جو اجتماعی تعلقات کی اصلاح کرے اور دُشمنوں کو بدل کر ایک دوسرے کا دوست بنا دے اور اقوام اور خاندانوں کے درمیان صُلح کو ترقّی دے۔ مذہب کو ایک ایسا رشتہ ہونا چاہئیے

جس کے ذریعہ سے اہلِ یورپ اور اہلِ ایشیا۔ سفید اور سیاہ فام اشخاص محبت اور عزت کے جذبات سے باہم پیوست ہو جائیں۔ اس وجہ سے چاہئے کہ خدا کے متعلق انسان کا تصور بھی بدل جائے۔ خدا تمام بنی آدم کا باپ ہے۔ خدا انسان کی بدی کے عوض اُس سے بدی نہیں کرتا بلکہ بدی کے بدلے نیکی کرتا ہے۔ خدا خشمناک ہو کر انسان کو دھمکاتا نہیں بلکہ اُس کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق سلوک نہیں کرتا بلکہ اُن کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آتا ہے۔ خدا ہمارے گناہ معاف کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم بھی اپنے قصورواروں کو معاف کریں۔ اگر لوگ اس اُصول کو بخوبی سمجھ لیں اور خدا کی شفقت اور رحمت کو معلوم کر لیں تو ممکن نہیں کہ کینہ اور عداوت کو اپنے دلوں میں جگہ دیں۔

زمانہ گذشتہ میں غلامی یا بردہ فروشی عام طور پر رائج تھی۔ یورپ اور امریکہ کے باشندے سیاہ فام حبشیوں کو گرفتار کر کے لے جاتے اور اُن کو اپنا غلام بنا لیتے تھے اور اُن پر خوب جور و ستم کرتے تھے۔ لیکن بعد میں اُنھوں نے محسوس کیا کہ یہ انصاف نہیں۔ اُنھوں نے معلوم کیا کہ حبشی بھی خدا کے فرزند ہیں لہٰذا وہ بھی آزادی کا حق رکھتے ہیں۔ آج غلامی کا باقاعدہ سلسلہ صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گیا ہے مسئلہ صُلح کی بھی یہی حالت ہے۔ زمانوں سے لوگ اپنے نفع کے لئے اپنے ہمسایوں پر حملہ کرتے اور اُن کو قتل کرتے رہے ہیں اور اس کو حکم الٰہی خیال کرتے رہے ہیں۔ اس تصور کو بالکل تبدیل کر دینا چاہئے کیونکہ خدا کبھی کسی دوسرے کے قتل کرنے یا مارنے کا حکم نہیں دیتا۔

وہ خدائے رحیم و کریم ہے۔ ایذا رسانی اور ظلم و ستم خدا سے صادر نہیں ہوتے بلکہ ان کا موجد شیطان ہے۔ وہ خود ہماری خود غرضی اور غرور کا نتیجہ ہیں۔ خدا کی رُوح بنی آدم کو صُلح کی ترغیب دیتی ہے اور وہ ہمیشہ نیکی اور رحم کی جانب ہماری ہدایت کرتی ہے۔ حقیقی مذہب رحم اور صُلح کی زندگی ہے۔ خدا نے انسان کو ہر اچھی نعمت عطا فرمائی ہے۔ پس چاہئے کہ وہ اس کو عمدہ اور نیک کاموں کے لئے استعمال کرے نہ اپنے خود غرضانہ مقاصد کے انجام دینے میں۔ ہمارا منشا اور مُدعا یہ ہونا چاہئے کہ ہم مال و دولت کو اس لئے جمع کریں تاکہ اس کے ذریعہ سے اوروں کی خدمت کریں نہ اس لئے کہ اُن پر ظلم و ستم کریں۔ تمام بنی نوع انسان کو اسی اصول کے مطابق زندگی گذرانا اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ صُلح و سلامتی کو قائم کرنا ہر ایک انسان کا فرض ہے۔ اصل دیندار لوگ وہ ہیں جو خود صُلح کُل ہیں اور دوسروں کے درمیان صُلح کراتے ہیں۔ حقیقی راستبازی کا یہی نشان ہے۔ مذہب کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور انسان دونوں کے ساتھ صُلح ہو۔ ایمان۔ اُمید اور محبت تینوں بزرگ ہیں لیکن افضل اِن میں محبت ہے۔

خُدا محبت ہے۔

پی۔ آر۔ بی۔ ایس۔ پریس لاہور میں چھپوا کر مسٹر ایف۔ ڈی۔ وارث سکرٹری

پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی۔ انارکلی۔ لاہور۔ پرنٹر و پبلشر نے شائع کیا۔

تصانیف پروفیسر لُطفی لیوونیان

ابتدائے مذہب۔ ٦ پائی
مذہب اور دُعا۔ ٦ پائی
خدا کَون ہے؟ ٦ پائی
گُناہ کیا ہے؟ ٦ پائی
خود داری۔ ٦ پائی
مذہب اور اخلاق۔ ٦ پائی
مذہب میں عقل کا درجہ۔ ٦ پائی
مذہب کیا ہے؟ ٦ پائی
مذہب میں اختیار و اقتدار کا درجہ۔ ٦ پائی
مذہب و سائنس۔ ٦ پائی
خدا پر ایمان رکھنا کیا ہے؟ ٦ پائی
مذہب میں منبع قدرت۔ ٦ پائی
مذہب اور معاشری مسایل۔ ٦ پائی

پی۔آر۔بی۔ایس۔پریس لاہور میں باہتمام مسٹر الف۔ڈی۔وارث۔سیکرٹری۔
پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی انارکلی لاہور پرنٹر و پبلشر چھپ کر شائع ہُوا۔